امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے اصول استنباط

* ڈاکٹر محمد میاں صدیقی

ائمہ اربعہ میں امام احمد بن حنبل کے بارے میں اہل علم کی دو رائے ہیں۔ کہ آیا وہ صرف محدّث تھے یا اس کے ساتھ فقیہ و مجتہد بھی تھے۔ ان کے اصول اجتہاد کے ذکر سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مختصر بیان ہو جائے کہ ان کے فقیہ و مجتہد ہونے کا بعض اہل علم نے کیوں انکار کیا؟

اس کی سب سے واضح اور بنیادی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حدیث میں ان کا اشغال، ان کے تفقہ پر غالب تھا، وہ آثارِ رسول وصحابہ کے پیچھے پیچھے چلتے تھے، ان کی کوشش ہوتی تھی کہ فقہ کے میدان میں وہ بہت آگے تک نہ جائیں، وہ اس مقام پر ٹھٹک جاتے تھے جہاں سے دوسرے اپنا سفر شروع کرتے تھے، دوسرے فقہاء نے جن حدود کو بے تکلف پار کیا، وہاں ان پر تردد اور تأمل کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ یہاں تک کہ بعض اہل علم نے یہ خیال کیا کہ وہ محدّث تھے فقیہ نہ تھے۔ ابن جریر طبری نے اپنی کتاب ''اختلاف الفقہاء'' میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے فقہی مسلک کا ذکر نہیں کیا، ان کا کہنا ہے کہ وہ محدث ہیں، فقیہ نہیں ہیں، بعض ایسے فقہاء جو خلافیات کے مسائل میں بحث کرتے ہیں، ان کا ذکر نہیں کرتے مثلاً طحاوی، نسفی، ابوبکر بن عربی اور غزالی نے اختلافی مسائل میں ان کا ذکر نہیں کیا۔ اسی طرح ابن قتیبہ نے اپنی کتاب ''المعارف'' میں اور مقدسی نے اپنی کتاب ''احسن التقاسیم'' میں بطور فقیہ و مجتہد امام احمد بن حنبلؒ کا ذکر نہیں کیا بلکہ انہیں اصحابِ حدیث میں شمار کیا ہے۔ ابن عبدالبر نے اپنی مؤلف ''الانتقاء'' میں فقیہ و مجتہد کے طور پر امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ کا ذکر کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا تذکرہ نہیں کیا۔

قاضی عیاض کہتے ہیں کہ:

''احمد بن حنبل رحمہ اللہ امام فقہ نہ تھے، فقہی مآخذ پر ان کی نظر گہری اور وسیع نہ تھی''۔(۱)

* سابق مشیر تحقیق، کلیہ عربی و علوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

جن لوگوں کا خیال یہ ہے کہ احمد بن حنبل فقیہ و مجتہد نہ تھے، ان کی دلیل یہ ہے کہ نہ تو فقہ میں ان کی کوئی کتاب ہے، اور نہ ان کے مرتبہ مجموعہ احادیث ''مسند'' میں فقہ کا کوئی اثر ہے جیسا کہ مؤطا امام مالک میں۔ کہ بنیادی طور پر وہ مجموعہ احادیث ہے۔ لیکن اس پر فقہ مالک کی گہری چھاپ ہے۔ امام مالک کی فقہی آراء اور ان کے اجتہادات اس میں کثرت سے ملتے ہیں، اور تمام اہل علم نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ مالک کی ''المؤطا'' بیک وقت حدیث اور فقہ دونوں کی کتاب ہے۔ اس کے برخلاف مسند احمد بن حنبل کلی طور پر احادیث و آثار پر مشتمل ہے۔ حالانکہ اس زمانے میں تدوین فقہ کا کام کافی حد تک مکمل ہو چکا تھا، محمد بن حسن شیبانی اور قاضی ابو یوسف فقہ ابو حنیفہ کو مرتب و مدون کر چکے تھے، فقہ میں ان دونوں حضرات کی مؤلفات سامنے آ چکی تھیں، مالک بن انس کی ''المؤطا'' اہل علم میں قبولِ عام کا درجہ حاصل کر چکی تھی، اور امام شافعی اپنے اجتہادات اور فقہی آراء کو نہ صرف یہ ہے کہ املاء کرا چکے تھے بلکہ ان کی اہم اور بنیادی کتاب ''الرسالہ'' نے بھی تصنیف و تالیف کے مرحلے سے گزر کر اہل علم تک رسائی حاصل کر لی تھی۔ فقہ کے موضوع پر اتنے گراں قدر اور وسیع کام کے باوجود امام احمد بن حنبل کے ہاں اس حوالہ سے کوئی چیز نہیں ملتی۔ یہ صورت حال اس مؤقف اور نظریے کو تقویت پہنچاتی ہے کہ وہ محدّث تھے، فقیہ نہ تھے۔ (۲) یا کم از کم یہ کہ ان کی فقہ پر حدیث غالب ہے۔

بات یہ ہے کہ جو محدثین فقہی مسائل میں صاحب الرائے تھے انہیں فقہاء کے بجائے زمرۂ محدثین میں شمار کیا گیا ہے۔ جیسے امام بخاری، امام مسلم، کیوں کہ اعتبار غلبۂ منہاج کا ہوتا ہے، جس پر جس فن کا رنگ غالب ہو گا وہ اُسی کا آدمی شمار کیا جائے گا۔ اس نقطۂ نظر سے چاروں فقہاء میں سب سے متوازن شخصیت امام مالک بن انس کی ہے۔

اس اعتراف کے باوجود کہ احمد بن حنبل پر حدیث کا غلبہ تھا، انہوں نے حدیث میں اپنی عظیم و جلیل کتاب ''مسند'' یادگار چھوڑی، جب کہ فقہ میں ان کا کوئی اثاثہ مرتب و مدون شکل میں اہل علم تک نہیں پہنچا، اس کے باوجود جمہور علماء اور فقہاء نے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ احمد بن حنبل پر اگرچہ حدیث کا رنگ غالب تھا، جس کی چھاپ ان کے اصولِ اجتہاد پر بھی بہت نمایاں ہے، وہ محدث کے ساتھ فقیہ اور مجتہد بھی تھے۔ انہوں نے اپنی فقہی آراء اور اجتہادات پر مبنی کوئی کتاب از خود مرتب نہیں کی لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ فقیہ نہ تھے، فقہی مسائل کی جمع و تدوین کا کام انہوں نے اپنے تلامذہ پر چھوڑ دیا تھا، انہوں نے ان کے اقوال، افکار و آراء اور فتاویٰ کو جمع کیا، اور

س طرح وہ فقہی مجموعہ تیار ہوا جو ان کی طرف منسوب ہے۔(۳)

ابن قیمؒ رحمہ اللہ نے بھی اس بارے میں گفتگو کی ہے، وہ اپنی کتاب ''اعلام الموقعین'' میں لکھتے ہیں:

''امام احمد نے فقہ میں کوئی کتاب اس لیے مرتب و مدون نہیں کی کہ وہ حدیث کے علاوہ کسی اور موضوع پر تصنیفِ کتب کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتے تھے انہوں نے تصنیف وتالیف کے لیے صرف حدیث کو اپنا موضوع بنایا۔ فقہ کے میدان میں انہوں نے جو خدمت کی، اللہ نے اُسے قبول فرمایا، اُنہیں ان کی حسن نیت کا ثمر ملا، جو کام انہوں نے خود نہیں کیا تھا، اسے ان کے نامور، لائق اور محنتی تلامذہ نے سرانجام دیا''۔(۴)

ابن قیمؒ رحمہ اللہ کی اس رائے کو درست ماننے کے لیے بہت سے شواہد موجود ہیں، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو حدیث سے اتنا گہرا تعلق اور شغف تھا کہ وہ اس بات سے ڈرتے تھے کہ اہل علم، اور بطور خاص ان کے تلامذہ حدیث سے بے نیاز ہو جائیں یا حدیث کی طرف ان کی توجہ کم ہو جائے۔ بایں ہمہ ان کے شاگردوں نے ان کے فقہی مسائل مرتب کیے، اور ان کے فتاویٰ کی بڑی تعداد کتابوں میں نقل کی۔

بعض شافعی علماء نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے بارے میں کہا کہ:

''ان کا اپنا کوئی مستقل اور الگ فقہی مسلک نہ تھا بلکہ وہ شافعی مسلک کے پیروکار تھے''۔(۵)

شافعی علماء کے یہ کہنے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ احمد بن حنبل نے امام شافعی کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور ایک عرصہ تک بغداد میں ان کی صحبت میں رہے۔ لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کے ساتھ رہنے، یا ان کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ ان کے فقہی مسلک کے پیروکار بھی ہوں، اور ان کا اپنا کوئی فقہی مسلک نہ ہو۔ بالکل ایسی ہی صورت حال امام شافعی رحمہ اللہ کی بھی ہے۔ وہ امام مالک رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں اور ایک عرصہ تک انہی کے مسلک کی پیروی کرتے رہے مگر بعد میں اپنے فقہی مسلک کی بنیاد رکھی، اور بلا اختلاف مجتہد مستقل کہلائے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے بارے میں یہ بات تو بہت سے اہل علم نے کہی کہ وہ مجتہد اور فقیہ نہ تھے بلکہ محدّث تھے، مگر یہ رائے قول شاذ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی کہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ امام شافعی رحمہ اللہ کے مقلد ہیں، اور ان کا کوئی مستقل فقہی مسلک نہیں ہے۔

فقہ احمد بن حنبل کے بارے میں شاہ ولی اللہ دہلوی کی رائے دوسرے اہل علم سے قدرے مختلف ہے اور ایسا نظر آتا ہے کہ وہ زیادہ گہرائی پر مبنی ہے، انہوں نے اس کا باریک بینی سے تجزیہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ حنبلی مسلک کو، شافعی مسلک ہی میں شامل سمجھنا چاہیے۔ کیوں کہ فقہ شافعی کے مقابلے میں اگر اس کی کوئی حیثیت ہے تو صرف اتنی، جتنی ابو یوسف اور محمد بن حسن شیبانی کی فقہی آراء اور فتاویٰ کو ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے فقہی مسلک، اور ان کی آراء کے مقابلے میں ہے۔ البتہ ایک فرق ضرور ہے، اور وہ یہ ہے کہ فقہ حنبلی کو فقہ شافعی کے ساتھ ضم کر کے مدوّن نہیں کیا گیا۔ جیسا کہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے فقہی مسلک کا معاملہ ہوا، کہ ان کی فقہی آراء اور فتاویٰ کی تدوین امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے فقہی مسلک میں ضم ہے، اور اسی کا ایک حصہ ہے۔ ابو یوسف اور محمد بن حسن شیبانی رحمہم اللہ کی منفرد آراء بھی فقہ حنفی ہی کا حصہ شمار ہوتی ہیں۔ یہی وہ فرق ہے جس کے باعث فقہ شافعی اور فقہ حنبلی کو ایک مسلک شمار نہیں کیا گیا''۔ (۶)

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے اپنی دوسری تصنیف ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں ذرا وضاحت کے ساتھ اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فقیہ اور مجتہد تھے، یہ بات انہوں نے اس پس منظر میں کہی جہاں انہوں نے اہلحدیث اور اہل الرائے کا تجزیہ کیا۔ لکھتے ہیں:

''احمد بن حنبل رحمہ اللہ وسعتِ روایت، مراتبِ حدیث کی پہچان، اور فقہ واجتہاد کے میدان میں بہت بلند مرتبے پر فائز ہیں''۔ (۷)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے فقیہ ومجتہد ہونے کا اعتراف نہ صرف یہ کہ ان کے معاصرین نے بلکہ ان کے اساتذہ نے بھی کیا ہے۔ شافعی، نسائی، اسحاق بن راہوایہ، ابن ابی حاتم، عبد الرزاق اور احمد بن سعید رازی وغیرہم نے ان کی فقاہت واجتہاد کو تسلیم کیا ہے۔ مسند احمد بن حنبل کے مقدمہ میں ایسی تصریحات موجود ہیں۔ حافظ ذہبی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

اصولِ اجتہاد

ابن قیمؒ کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنے فقہی اجتہاد و استنباط کی بنیاد پانچ اصول پر قائم کی تھی:

❶ نصوص:

احمد بن حنبل رحمہ اللہ اپنے اصول اجتہاد میں سب سے مقدم جس چیز کو رکھتے ہیں، وہ ہیں نصوص، خواہ وہ کتاب اللہ کے ہوں یا سنتِ رسول کے۔ جب کسی کے بارے میں انہیں کوئی نص مل جاتا ہے تو پھر ادھر اُدھر نہیں دیکھتے۔ اس پر فتویٰ دیتے ہیں، نص کو وہ صحابہ کے فتویٰ اور اقوال پر مقدم رکھتے ہیں، کتبِ فقہِ حنبل میں ایسی متعدد مثالیں ذکر کی گئی ہیں جہاں احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے نص کے مقابلے میں صحابہ کے فتاویٰ کو رد کیا ہے مثلاً حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مسلمان کو غیر مسلم کی وراثت نہیں ملتی مگر حضرت معاذ بن جبل اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کا قول ہے کہ مسلمان کو غیر مسلم کی میراث ملنی چاہیے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے دونوں صحابہ کے قول اور فتوے کو حدیث کی بناء پر رد کر دیا۔(۸)

❷ فتاوائے صحابہ

قرآن اور سنت سے کوئی نص نہ ہونے کی صورت میں فقہ حنبل کی دوسری اصل صحابہ کرام کے فتاویٰ ہیں۔ نص نہ ہونے کی صورت میں جب انہیں کسی صحابی کا کوئی فتویٰ مل جاتا، اور اس فتوے کے خلاف کسی دوسرے صحابی کا فتویٰ ان کے علم میں نہ ہوتا تو وہ اسے قبول کرتے، اور اس پر اپنی رائے اور فتوے کی بنیاد رکھتے تھے۔ لیکن وہ ایسے فتوے کو اجماع سے تعبیر نہیں کرتے تھے۔ بلکہ وہ کہتے کہ: ''مجھے اس کیخلاف کوئی قول اور رائے نہیں ملی''۔ اجماع سے تعبیر نہ کرنا امام احمد رحمہ اللہ کے انتہائی محتاط رویہ کی بناء پر تھا۔ مثلاً انہیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے اس قول کا علم ہوا کہ غلام کی گواہی قابل قبول ہے۔ انہوں نے اسی قول پر اپنے فتوے کی بنیاد رکھی، اور یہ کہا کہ:

''مجھے کسی صحابی کا ایسا کوئی قول اور فتویٰ نہیں ملا جو قول انس کے خلاف ہو''۔(۹)

انہیں کسی ایک صحابی کا بھی کوئی قول، فتویٰ، یا عمل مل جاتا تو پھر اس کے خلاف رائے قائم کرتے، نہ فتویٰ دیتے، اور نہ عمل کرتے، اپنی رائے، قول اور عمل۔ سب کی بنیاد قولِ صحابی پر رکھتے۔(۱۰)

❸ امام احمد رحمہ اللہ کا تیسرا اصول یہ تھا کہ اگر کسی مسئلے میں صحابہ کی مختلف آراء ہوتیں تو پھر اس رائے کو قبول کرتے اور ترجیح دیتے تھے جو قرآن اور سنت سے قریب تر ہو۔ لیکن صحابہ کی آراء اور فتاویٰ کو چھوڑ کر کوئی منفرد رائے اختیار نہیں کرتے تھے، اور نہ ہی قیاس سے کام لیتے تھے۔ اگر ان اقوال و فتاویٰ میں کسی کا قرآن اور سنت سے اقرب ہونا ثابت نہ ہوتا تو پھر تمام اقوال کو ذکر کرتے، اور کسی ایک قول کو ترجیح نہیں دیتے تھے۔

ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: ''امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اس بات کو مناسب نہیں سمجھتے تھے کہ اپنی رائے سے کسی صحابی کے قول اور فتوے کو مرجوح قرار دیں''۔(۱۱)

اس سلسلے میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ جب اقوالِ صحابہ میں اختلاف پاتے تو پھر یہ کوشش کرتے کہ ان میں سے کوئی قول خلفائے راشدین میں سے کسی کا ہے یا نہیں؟ اگر یہ بات ثابت ہو جاتی کہ فلاں قول فلاں خلیفۂ راشد کا ہے۔ خلفائے راشدین کے اقوال اور فتاویٰ کو ترجیح دینے کی بہت مضبوط وجوہ ہیں، خود ان کا خلیفہ راشد ہونا، عشرۂ مبشرہ میں سے ہونا، نبی علیہ السلام کا یہ حکم کہ: ''میرے بعد میرے خلفاء کی پیروی کرنا جو ہدایت یافتہ ہیں''۔ خلفائے راشدین میں بطور خاص حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہم کے بعض فیصلے اور فتاویٰ ایسے ہیں جن پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع منعقد ہوا۔

اقوالِ صحابہ کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے منقول ان کی یہ آخری رائے اور نظریہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک سے قریب تر ہے۔ جیسا کہ فقہ ابوحنیفہ کی بحث میں بیان کیا گیا ہے۔(۱۲)

❹ حدیث مرسل اور حدیث ضعیف سے استنباط:

فقہ احمد کی چوتھی اصل یہ ہے کہ وہ حدیث مرسل اور حدیث ضعیف کو اس صورت میں قبول کر لیتے تھے جب کہ مسئلہ زیر بحث میں کوئی دلیل اس کے خلاف نہ ہو۔ حدیث مرسل اور حدیث ضعیف مل جانے کی صورت میں وہ قیاس کو اختیار نہیں کرتے تھے۔

یہاں حدیث ضعیف سے مراد باطل اور منکر حدیث نہیں ہے، جس کی سند میں کوئی متہم راوی ہو، جو قابل حجت نہ ہوسکتا ہو۔ دوسرے ائمہ مجتہدین کا بھی اس اصل کے بارے میں یہی نظریہ ہے۔ حدیث ضعیف کو قیاس پر مقدم رکھتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے نماز میں قہقہہ والی حدیث کو قیاس پر ترجیح دی ہے حالانکہ تمام محدثین نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ (۱۳)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا ایک یہ قول بھی بعض اہل علم نے نقل کیا ہے:

''وہ اگر کسی مسئلے میں نہ قرآن اور سنت کا کوئی نص پاتے، نہ کوئی حدیث ضعیف یا حدیث مرسل ملتی۔ نہ کسی صحابی کے قول، عمل، یا فتوے تک ان کی رسائی ہوتی تو پھر وہ کسی ایسے تابعی کا قول، یا فتویٰ تلاش کرتے جو طبقہ تابعین میں اپنے تدیّن اور علم و فضل کے باعث ممتاز اور نمایاں مقام کا حامل ہو۔ اور کسی ایسے تابعی کا قول یا فتویٰ مل جاتا تو رائے اور قیاس سے گریز کرتے، اور اسے اختیار کر لیتے''۔ (۱۴)

❺ قیاس

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے اصول اجتہاد میں پانچویں اصل قیاس ہے، انہیں اگر کسی مسئلے میں نہ کتاب اللہ میں کوئی نص ملتا اور نہ سنتِ رسول میں، نہ کسی صحابی کا کوئی قول، رائے، یا فتویٰ دستیاب ہوتا، اور نہ ہی کوئی مرسل یا ضعیف حدیث ہاتھ آتی تو پھر آخری مرحلے میں وہ قیاس سے کام لیتے۔ گویا امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے ہاں قیاس کا استعمال ضرورت بلکہ مجبوری کی صورت میں تھا۔ (۱۵)

فقہِ حنبل کے اصول اجتہاد کی بحث میں یہ بات بہت اہم ہے کہ ابن قیمؒ نے جو کہ فقہِ حنبل کے نمایاں ترجمان ہیں، اجماع کو احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے اصول اجتہاد میں شمار نہیں کیا۔ حالانکہ صورت حال یہ ہے کہ الکتاب، اور السنہ کے علاوہ اجماع اور قیاس کو بھی جمہور فقہاء نے متفق علیہا مصادر میں شمار کیا ہے۔ اس بناء پر یہ امر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس موقعہ پر تفصیلات سے دامن بچاتے ہوئے (کیوں کہ وہ اپنی جگہ گزر چکی ہیں) صرف امام احمد کے حوالے سے اس کے بارے میں وضاحت کی جائے کہ کیا واقعی وہ کلی طور پر اجماع کے وجود کے منکر ہیں یا جزوی

طور پر انہیں اس کے وجود یا حجیت سے انکار ہے۔

امام احمد بن حنبل کے استاد امام شافعی رحمہ اللہ نے اجماع کے بارے میں اپنی کتاب ''الام'' کے باب ابطال الاستحسان میں قلم اٹھایا ہے۔(۱۶)

امام شافعی اجماع کے قائل ہیں اور وہ اسے حجت بھی مانتے ہیں، البتہ مناظرے کے وقت اگر ان کے خلاف اجماع سے کوئی دلیل پیش کی جائے تو پھر ان مسائل میں اجماع کا انکار کر دیتے ہیں، اور اس طرح وہ اجماع کے دائرے کو تنگ اور محدود کر دیتے ہیں اور جب ان سے مناظرہ کرنے والا پوچھتا ہے کہ: یہ بتایئے کہ اجماع کا کوئی وجود ہے بھی یا نہیں؟ تو پھر وہ اس کا یہ جواب دیتے ہیں:

> ''بے شک فرائض کا بہت بڑا حصہ ایسا ہے جس کے بارے میں کوئی شخص ناواقفیت کا اظہار نہیں کر سکتا۔ پس یہ ایسا اجماع ہے جس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ تمام لوگوں نے ان مسائل پر اجماع کر لیا ہے، اور کوئی شخص بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ نہیں، یہ اجماع نہیں ہے۔ یہ ہے وہ بنیادی طریقہ جس سے اجماع کی صداقت پرکھی جا سکتی ہے''۔(۱۷)

امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''اختلاف الحدیث'' میں وضاحت کی ہے کہ صحابہ اور تابعین نے جن امور پر اجماع کیا تھا وہ اصول فرائض اور واجبات سے تعلق رکھتی ہیں۔(۱۸)

امام شافعی رحمہ اللہ صحابہ کے اجماع کو خبر واحد کے مقابلے میں حجت مانتے، اور اسے ترجیح دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ:

> ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع خبر واحد سے بالاتر ہے، البتہ اجماع صحابہ نہ ہونے کی صورت میں خبر واحد پر عمل کیا جائے گا بشرطیکہ صحیح سند سے ثابت ہو''۔(۱۹)

امام احمد بن حنبل اور ان کے استاد امام شافعی رحمہ اللہ اس معاملہ میں ایک ہی راستہ پر گامزن ہیں، اور وہ یہ ہے کہ اجماع حجت ہے، لیکن اگر کوئی شخص اس کا دعویٰ کرتا ہو اس کے بل بوتے پر نصوص صریح کو چھوڑ دے تو اس کا یہ دعویٰ قبول نہیں کیا جائے گا۔ یہ دونوں بزرگ اس بات پر متفق ہیں کہ جن مسائل کا کوئی اختلافی پہلو سامنے نہ ہو، ان کے بارے میں (اجماع کا دعویٰ کرنے کے بجائے) یہ کہہ دینا کافی ہے کہ اس مسلک کے خلاف کوئی بات ہمارے علم میں نہیں ہے۔ ہاں اگر کسی صاحب علم کے سامنے ایسے مسائل سے سابقہ پڑے جو قرون اولیٰ سے لے کر اس کے

زمانے تک مسلمہ چلے آ رہے ہیں اور کوئی اختلافی قول منقول نہیں، لیکن اس کے مخالف کوئی حدیث بھی موجود نہیں، تو ایسی حالت میں وہی قابل قبول ہے۔ سب کے خلاف کوئی انوکھا فتویٰ نہیں دینا چاہیے۔ مگر اس کے مخالف کوئی حدیث مل جانے کی صورت میں اس کو فوراً ترک کر دینا ضروری ہے۔

اب اس معاملہ میں ہم دو امور کا اور ذکر کریں گے:

① یہ کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تمام علمی مسائل میں وجود اجماع کی مطلق نفی نہیں کرتے، بلکہ ان دعاوی کی نفی کرتے ہیں جو ہم عصر علماء ایک دوسرے کے خلاف کرتے ہیں، جیسے امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے امام اوزاعی کے دعویٰ کی نفی کی، یا امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنے مناظر کے دعویٰ کی تردید کی، جو اجماع کا نام لے کر حدیث صحیح کو رد کر دینا چاہتا تھا۔

② امام احمد یہ بات مانتے تھے کہ بہت سے ایسے مسائل ہیں جن کے بارے میں کسی اختلاف کا علم نہیں، اور یہ کہ ایسے مسائل قبول کر لیے جائیں گے، اگر کوئی حدیث ان کے بجائے نہ پائی جائے، لیکن ان کے بارے میں اجماع کامل کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا بلکہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ کسی مخالف قول کا علم نہیں ہے، اور یہ بات بھی تقاضائے ورع وتقویٰ کے علاوہ حق اور امر واقعی بھی ہے۔

جب یہ بات ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اجماع کے وجود کے سرے سے مخالف نہیں تھے، وہ مسائل جزئیہ میں دعوائے اجماع کی اس وقت نفی کرتے تھے جب وہ دلیل کے مقابلہ میں استعمال ہوتا تھا، لہذا یہ انکار عقلی طور پر اس کے وجود سے انکار نہیں تھا، جیسا کہ نظّام معتزلی اور بعض اہل تشیع کا خیال ہے، یعنی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو انکار اجماع کے وجود سے نہ تھا، البتہ اس کے علم سے انکار تھا۔

اجماعِ صحابہ کو حجت مانتے تھے

بعض علماء کا قول ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ صرف صحابہ کے اجماع کے قائل ہیں، اس لیے کہ اس اجماع کی نقل کثرت سے ہوئی اور اس کے علم کے اسباب بہت زیادہ ہیں اور ثابت بھی ہیں، اور صحابہ کے بعد جو وہ اجماع کے منکر ہیں، اس کا سبب اسباب علم کی کمی اور قلت ہے، کیونکہ اس کے بعد وہ دَور آیا کہ علماء مختلف شہروں میں پھیل گئے، آپس

میں ملاقات دشوار ہوگئی، ان کی تعداد کا اِحصا مشکل ہوگیا، ان کی شناخت اور معرفتِ کامل آسان نہ رہ گئی۔ جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے ''جماع العلم'' میں بیان کیا ہے۔

بعض علماء کا یہ قول ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک کثرتِ آراء سے انعقادِ اجماع ہو جاتا ہے کیونکہ امام احمد کسی اجماعی قول کے بارے میں صرف یہی کہتے ہیں کہ: ''اس کے مخالف کسی قول کا مجھے علم نہیں''۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب مخالفت قول کا علم نہیں تو اس قول کی موافقت کرنے اور اسے ماننے والوں کی کثرت ہوئی، اور اس پر اتفاق ہے کہ وہ ایسے قول کو جس کا مخالف کوئی دوسرا قول نہ ہو، قبول کر لیتے تھے۔

جب کثرت آراء کو اجماع مان لیا جائے تو پھر امام احمد کے نزدیک وہ حجت اور حدیث صحیح کے بعد اور قیاس سے قبل اس کا مرتبہ ہے، اس لیے کہ قیاس مرتبہ کے اعتبار سے کم رتبہ اور ضعیف ترین چیز ہے، اور امام احمد رحمہ اللہ قیاس سے صرف اس وقت کام لیتے ہیں جب ضرورتِ شدید لاحق ہو۔ (۲۰)

اجماع کے دو (2) درجے:

اب ہم کہہ سکتے ہیں کہ اجماع کے بارے میں امام احمد رحمہ اللہ کی رائے دو حصوں میں تقسیم کی جا سکتی ہے:

① اجماعِ صحابہ، بلکہ اجماعِ عام، اصول فرائض کے بارے میں، اور اجماع صحابہ ان مسائل کے بارے میں جو ان کے سامنے پیش آئے، اور انہوں نے ان کے سلسلے میں باہمی تبادلہ خیال کیا، اور کسی ایک خاص رائے پر پہنچ گئے، یہ اجماع حجت قرار دیا جائے گا، اس لیے کہ اس کی ''سند'' (بنیاد) کتاب اللہ وسنتِ صحیح ہے اور کوئی حدیثِ صحیح اس کی مخالف نہیں ہے۔ علاوہ ازیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کے اقوال، افعال، تقریرات کا راوی اور کون ہو سکتا ہے؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کسی مسئلہ پر صحابہ کا اجماع تو منعقد ہو گیا ہو، اور اس کے مخالف کوئی حدیث موجود ہو لیکن ان کو اس کا علم نہ ہو، نہ ان میں اس کا ذکر آیا ہو، نہ اس کی فہم وتخریج میں تبادلۂ رائے کیا گیا ہو، جب ایسی صورت ہو تو ان کا دَور ختم ہونے کے بعد ان کے اجماع کے خلاف اگر کوئی حدیث سامنے آتی ہے تو اسے شاذ سمجھا جائے گا جس کا معارض موجود ہے۔ یعنی اجماعِ صحابہ اور امام احمد رحمہ اللہ کا مسلک یہ تھا کہ وہ ایسی حدیث ترک کر دیتے تھے جس کا کوئی قوی معارض موجود ہو۔

② اجماع کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ کوئی رائے عام طور پر شائع و ذائع ہوگئی ہو، اور اس کی مخالفت میں کوئی قول موجود نہ ہو، یہ مرتبہ میں حدیث صحیح سے کم ہے، اور قیاس سے بالا، اجماع کی یہ قسم عہدِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد والے طبقہ (تابعین) میں ہوسکتی ہے۔

امام احمد اسی اجماع کو اجماع حقیقی جانتے ہیں جو صحابہ کا ایسے مسائل میں ہو جن پر انہوں نے تبادلہ فکر و نظر کر لیا ہو جس میں احکام قرآنیہ اور نبویہ کو پیش نظر رکھ کر اس کی ایک رائے کو منتخب کر لیا اور اسے معمول بہ بنالیا ہو۔ جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنے مناظرات میں اشارہ کیا ہے، ژرف نگاہ علماء اس مسلک کو صحیح سمجھتے ہیں۔

امام شوکانی نے ابو مسلم الاصفہانی سے ذکر کیا ہے کہ اجماع صحابہ کے معتبر ہونے پر علماء متفق ہیں، البتہ غیر صحابہ کے اجماع میں اختلاف ہے، ابو مسلم نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ غیر صحابہ کا اجماع غیر ممکن العلم ہے، یعنی صحیح طور پر اس کا علم ہونا ناممکن ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں:

> ''سچی بات تو یہ کہ صحابۂ کرام کے اجماع کے علاوہ دوسرے لوگوں کے اجماع کا صحیح علم ناممکن ہے، اس لیے کہ دورِ صحابہ میں اجماع کرنے والے علماء کی تعداد کم تھی، ان کی پرکھ آسانی کے ساتھ ہوسکتی تھی، لیکن اب جب کہ اسلام دُور دراز گوشوں میں پہنچ چکا ہے، اور علماء کی تعداد بہت بڑھ چکی ہے تو اس کا علم پورے طور پر ہونا ناممکن ہے یہی مسلک امام احمد کا ہے جو عہد صحابہ سے قرب رکھتے تھے، اور قوتِ حفظ اور امورِ نقلیہ میں شدتِ اطلاع کی بنا پر بطورِ خاص ممتاز اور نمایاں شخصیت کے مالک تھے''۔(۲۱)

اجماع کے بارے میں امام احمد کے مسلک کی وضاحت اس حد تک دستیاب ہے، بایں ہمہ آپ سے مروی روایات مختلف اور مضطرب ہیں۔

استصحاب اور مصالح مرسلہ کے بارے میں احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مؤقف:

ابن قیمؒ نے پانچ فقہی مصادر کا ذکر کیا ہے جن پر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنے فقہ و اجتہاد کی بنیاد رکھی، ان کے علاوہ جو مصادر فقہ ہیں ان کے بارے میں انہوں نے یہ وضاحت نہیں کی کہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے انہیں

کلی طور پر مسترد کر دیا ہے، یا جزوی طور پر ان سے استفادہ کیا؟ بعض دوسرے اہل علم نے وضاحت کی کہ ابن قیمؒ کے ذکر کردہ پانچ اصول اور مصادر کے علاوہ دوسرے مصادر شرعیہ کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مؤقف کیا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے استنباط احکام میں استصحاب سے کافی حد تک کام لیا ہے۔ استصحاب کے معنی یہ ہیں کہ: جو بات پہلے سے ثابت ہو وہ اب بھی ثابت رہے بشرطیکہ اسے تبدیل کرنے والا کوئی حکم موجود نہ ہو، استصحاب کے اصل اور مصدر ہونے پر چاروں اماموں کا اتفاق ہے، البتہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ اسے کس حد تک استعمال کیا جائے؟ حنفی فقہاء نے اس اصول پر بہت کم عمل کیا ہے، شافعی اور حنبلی فقہاء نے اس کو کثرت سے استعمال کیا ہے، جن فقہاء نے نص موجود نہ ہونے کی صورت میں قیاس، استحسان، مصالح مرسلہ، اور عرف کو استعمال کیا ہے، انہیں استصحاب کی بہت کم ضرورت پیش آئی ہے، یہی وجہ ہے کہ احناف کی طرح مالکی فقہاء نے بھی اس اصول سے زیادہ مدد نہیں لی۔ (۲۲)

ابن قیمؒ نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے اصولِ اجتہاد میں جس طرح استصحاب کا ذکر نہیں کیا اس طرح مصالح مرسلہ کا بھی ذکر نہیں کیا۔ لیکن ان کے ذکر نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے ہاں مصالح مرسلہ کا اعتبار نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حنبلی فقہاء مصالح مرسلہ کو بھی اصولِ استنباط میں سے مانتے ہیں۔ خود ابن قیم کہتے ہیں کہ:

”کوئی امر ایسا نہیں ہے جسے شارع نے مشروع کیا ہو اور وہ مصالحِ عباد سے خالی ہو“۔ (۲۳)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے اصولِ اجتہاد میں ذکر نہ کرنے کی بنیادی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ خود امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے مصالحِ مرسلہ کو حل مسائل کے سلسلے میں مصدر کے طور پر استعمال نہیں کیا۔ یا یہ وجہ ہے کہ وہ مصالح مرسلہ کو قیاس صحیح کے ذیل میں شمار کرتے ہیں، اور صورتِ حال یہ ہے کہ وہ قیاس کو بھی شدید ضرورت کے وقت کام میں لاتے ہیں، ان کی امکانی کوشش یہ ہوتی ہے کہ الکتاب، السنہ، اور قولِ صحابی تک اپنے آپ کو محدود رکھیں۔

ذرائع کا اعتبار

ذرائع کا مطلب یہ ہے کہ شریعت اگر لوگوں کو کسی بات کا حکم دیتی ہے تو حصولِ مقصد کا ہر ذریعہ اور وسیلہ

مطلوب مانا جائے گا، اور اگر شریعت کسی امر سے لوگوں کو منع کرتی ہے تو ہر اس ذریعے کو حرام کہا جائے گا جو ممنوع چیز کے وقوع میں مدد و معاون ہو مثلاً نمازِ جمعہ کا حکم دیا تو اس مقصد کے حصول کے لیے سعی کا بھی حکم دیا اور خرید و فروخت چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ کیوں کہ یہ دونوں نمازِ جمعہ تک پہنچنے اور اس کو ادا کرنے کے ذریعے ہیں۔

اس اصول کی روشنی میں اگر کوئی امر شریعت میں مطلوب ہے تو دوسرے درجے میں اس کے حصول کا ذریعہ بھی مطلوب ہوگا اور ہر ممنوع اور ناجائز چیز تک پہنچنے کا ذریعہ بھی ناجائز ہوگا۔'' (۲۴)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ذرائع کو بھی فقہی اصول میں شمار کرتے ہیں:

''ذرائع'' کے معاملہ میں اکثر فقہاء امام احمد اور امام مالک رحمہم اللہ کے ہم نوا ہیں، اور فقہاء کی ایک قلیل جماعت امام شافعی رحمہ اللہ سے ہم آہنگ ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے تلامذہ اس معاملہ میں قلت اخذ کے اعتبار سے امام شافعی رحمہ اللہ سے زیادہ قریب ہیں بہ نسبت امام احمد اور امام مالک رحمہم اللہ کے۔ تاہم قلت و کثرت سے قطع نظر نفس ''سدذرائع'' کے مسئلے میں سب ائمہ کا اتفاق ہے، اختلاف جو کچھ ہے وہ نوعیت میں ہے، مثلاً اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ عام مسلمانوں کی ایذاء رسانی جس فعل سے ہوتی ہو وہ قطعاً ممنوع ہے، جیسے عام گزرگاہ پر کنوئیں کا کھودنا، یا کھانوں میں زہر ڈالنا، یا ہمارے جدید زمانہ میں پانی کے اندر (متعدی امراض کے) جراثیم پھینکنا، ''ذرائع'' کی یہ ایسی قسم ہے جس میں مخالفت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ایسے ہی ''سدذرائع'' کی یہ ایسی قسم ہے جس میں مخالفت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ایسے ہی ''سدذرائع'' کا مسئلہ وہاں بھی اجماعی ہے جہاں ان کی بنیاد نصوص شرعیہ پر ہو، مثلاً اس قسم کے لوگوں کے معبودوں کو گالی دینا جن کے متعلق معلوم ہو کہ وہ یہ سن کر حق تعالیٰ کو برا بھلا کہنا شروع کردیں گے۔ اسی طرح فقہاء کا اس بات پر بھی اجماع ہے کہ اگر کسی بات میں خیر و شر کے دونوں پہلو ہوں مگر اس کے کرنے میں منفعتِ عامہ کا پہلو غالب ہو تو اسے ممنوع نہیں قرار دیا جائے گا، جیسے انگور کے درختوں کا لگانا، بیشک اس فعل کا نتیجہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انگوروں کو نچوڑ کر ان سے شراب بنائی جائے، لیکن اس طرح کا کام لینا احتمالی ہے، اس کے بونے کی اصل غرض یہ نہیں ہوتی بلکہ اس شر کے مقابلہ میں منفعتِ عامہ کا امکان زیادہ ہے، اور اعتبار امر غالب ہی کا کیا جاتا ہے یا پھر اس چیز کا جس پر ظن راجح قائم ہو۔

ذرائع کے بارے میں اختلافی پہلو

مذکورہ بالا دونوں صورتوں کے علاوہ جو مسائل ہیں ان میں اختلاف ہے، امام شافعی رحمہ اللہ دوسری جگہ کہیں بھی ''سدذرائع'' کے اصول کو تسلیم نہیں کرتے، ان کی نظر احکامِ ظاہرہ پر رہتی ہے۔ وہ کہتے ہیں واقعہ جب ظہور میں آ جائے اس وقت ظاہر الفاظ پر مبنی اس کی نوعیت دیکھی جائے گی، یعنی غایت اور مآل پر وہ غور نہیں کرتے، چنانچہ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

> ''حکم ظاہر ہی پر لگایا جائے گا، غیب خدا کے سپرد ہے، جو شخص گمان اور اندیشہ پر حکم لگاتا ہے وہ اپنے اوپر ایسی ذمہ داری عائد کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر بھی نہیں ڈالی، کیونکہ امرِ غائب پر ثواب وعتاب کا کام اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے، کیونکہ امورِ غیب کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہے، اس نے اپنے بندوں کو صرف اس پر مکلّف کیا ہے کہ وہ لوگوں کے افعال ظاہری پر احتساب کریں، باطن کی بنا پر کسی شخص پر حکم لگانا جائز ہوتو یہ حق سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کو دیا جاتا''۔(۲۵)

یہی ظاہریت ہے جس پر امام شافعی رحمہ اللہ یہاں نہایت سختی کے ساتھ قائم ہیں، وہ غایات امور پر جب کہ وہ ابھی وجود میں نہیں آئے، نہ ان کا ثبوت متحقق ہوا ہے، حکم لگانے سے منع کرتے ہیں، کیونکہ غایت اور مآل پر حکم لگانا گمان اور ظن کی بنا پر حکم لگانا ہے، حالانکہ شریعت افعال کے ظاہر اور ان کی نوعیت پر حکم لگاتی ہے نہ کہ مآل اور محرکات پر، جب تک مآل اور محرکات پر کوئی قوی دلیل موجود نہ ہو۔

یہ نظریہ امام احمد اور امام مالک رحمہم اللہ کے نظریوں سے مختلف ہے، کیونکہ یہ حضرات غایت اور مال پر نظر رکھ کر فیصلہ کرتے ہیں، ان کے نزدیک کوئی جائز ''عقد'' (نکاح ہو یا بیع وغیرہ) کسی حرام کام کے ارادے سے ہو، یا اس کا نتیجہ کسی ''امرِ محرم'' کی صورت میں ظاہر ہو، تو وہ نیت یا نتیجہ اس جائز کام کو حرام اور اس عقد کو باطل بنا کے رکھ دے گا

حواشی وحوالہ جات

١۔ دوالبی: دکتور محمد معروف، المدخل الٰی علم اصول الفقہ (طبع: الجامعہ سدریہ دمشق۔ ۱۹۵۵ء)ص: ۱۱۳

٢۔ ایضاً۔ص: ۱۱۳

٣۔ محمد سلام مدکور۔ ڈاکٹر۔ مناہج الاجتہاد۔ (طبع: کویت ۱۹۷۳ء) ص: ۶۸۲

٤۔ ابن قیم الجوزی: محمد بن ابی بکر، اعلام الموقعین (طبع: مکتبہ الکلیات قاہرہ ۱۹۶۸ء) ۲/۲۶۴

٥۔ المدخل الیٰ علم اصول الفقہ (دوابی)۔ص: ۳۴۸

٦۔ شاہ ولی اللہ دہلوی: الانصاف فی بیان سبب الاختلاف۔ (طبع: علماء اکیڈیمی محکمہ اوقاف پنجاب لاہور ۱۹۷۱ء)۔ ص: ۳،۲

٧۔ شاہ ولی اللہ دہلوی: حجۃ اللہ البالغۃ۔ ۱/۱۴۹، ۱۶۱

٨۔ اعلام الموقعین (ابن قیم الجوزیہ)۔ ۱/۲۳

٩۔ مناہج الاجتہاد (مدکور)۔ص: ۲۸۳، نیز: اعلام الموقعین ۱/۲۳

١٠۔ مناہج الاجتہاد (مدکور) ص: ۳۸۳

١١۔ اعلام الموقعین۔ ۱/۲۴

١٢۔ عبدالقادر بن بدران دمشقی۔ المدخل الٰی مذہب الامام احمد بن حنبل (طبع: بیروت ۱۹۸۱) ۔ص: ۱۱۶

١٣۔ یہ حدیث امام عبدالرزاق کی مصنف میں، حدیث نمبر: ۳۷۶۱ میں درج ہے ہے ''ایک نابینا شخص کنویں میں گر گیا' نبی اکرم ﷺ' صحابہ کرام کو نماز پڑھا رہے تھے' اس واقعہ پر نماز میں شریک بعض صحابہ ہنس پڑے۔ نبی اکرم ﷺ نے نماز ختم کرنے کے بعد حکم دیا کہ: جو لوگ نماز میں ہنسے ہیں وہ اپنی نماز لوٹائیں اور وضو بھی دوبارہ کریں''۔ اس روایت کے رواۃ اگر چہ ثقہ ہیں مگر یہ روایت مرسل ہے، اس کے باوجود امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کی موجودگی میں قیاس کو ترک کیا اور اس حدیث کو معمول بہ اور اپنے مسلک کی بنیاد قرار دیا۔ مزید تفصیل کے لیے رجوع کیجئے: ''نصب الرایہ لأحادیث الہدایہ'' جلد: ۱، ص: ۵۰

۱۴۔ مرسل کے معنی یہ ہیں کہ راوی نبی اکرم ﷺ کا قول یا عمل تو بیان کر دیتا ہے مگر سلسلہ روایت کو تابعی پر لے جا کر چھوڑ دیتا ہے، اس صحابی کا نام ذکر نہیں کرتا جس سے اس تابعی نے یہ روایت اخذ کی ہے، اور پھر اس صحابی نے براہِ راست نبی علیہ السلام سے وہ بات سنی یا ان کا عمل دیکھا اور اس کو نقل کیا۔

۱۵۔ الفقہ الاسلامی (محمد یوسف موسیٰ) ص:۱۵۴

۱۶۔ المدخل (عبدالقادر بن بدران)۔ص:۱۱۹

۱۷۔ کتاب الآم (امام شافعی) ۲۷/۷

۱۸۔ کتاب جامع العلم۔ تحقیق احمد محمد شاکر۔ طبع: مصر۔ ص:۶۱

۱۹۔ امام شافعی کی کتاب ''اختلاف الحدیث'' ان کی کتاب ''الأم'' کے حاشیے پر طبع شدہ ہے۔

۲۰۔ مناہج الاجتہاد (مذکور)۔ص:۶۶۲،۶۶۶

۲۱۔ المدخل إلی مذہب امام احمد بن حنبل (عبدالقادر بدرانی)۔ص:۱۲۹

۲۲۔ ارشاد الفحول (شوکانی)۔ص:۶۹

۲۳۔ ایضاً

۲۴۔ اعلام الموقعین (ابن قیم)۔ ۳/۴

۲۵۔ ایضاً۔ص:۱۱۸/۳۔ ابن قیم نے اس موضوع پر خاصی تفصیل سے گفتگو کی ہے، المدخل الی مذہب امام احمد بن حنبل۔ ص:۲۹۶، کتاب الأم۔ ۴۱/۴۔